تنقید و تبصرہ

اسلام اینڈ دی ورلڈ (انگریزی)

یہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب کا انگریزی ترجمہ ہے جو ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی نے کیا ہے مولانا موصوف نے اصل کتاب عربی میں لکھی تھی جو ۱۹۵۰ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ پھر مصنف نے خود ہی اس کا اردو ایڈیشن مرتب فرمایا، جو ۱۹۵۱ء میں شائع کیا گیا۔ زیر نظر کتاب اسی کا انگریزی ترجمہ ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت نہ صرف پاکستان و ہند میں، بلکہ عرب دنیا میں بھی مانی ہوئی ہے اس کے علاوہ مولانا موصوف ان اصحابِ ہدایت و ارشاد علمائے کرام میں سے ہیں، جو اسلام کو از سرِ نو زندگی میں بحیثیت ایک فعّال روحانی و اجتماعی طاقت کے بروئے کار لانے میں سرگرم کار ہیں اور علمی و عملی دونوں جہت سے اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے مولانا کی یہ کتاب خاص اہمیت رکھتی ہے، امید ہے انگریزی خوان طبقے میں اسے بڑے شوق سے پڑھا جائیگا۔

کتاب کے پہلے باب میں چھٹی صدی عیسوی کا نقشہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، اخلاقی، اجتماعی و سیاسی جائزہ لیا گیا ہے، اور جیسا کہ فاضل مترجم نے دیباچے میں لکھا ہے کہ "شاید ہی

لہ۔ اس کتاب کا ترجمہ عرصہ ہوا ڈاکٹر شیخ محمد اقبال مرحوم (پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور) نے اردو میں کیا تھا ایران قبل از اسلام پر یہ ایک بڑی اہم تصنیف ہے۔ (اگلے صفحے پر دیکھئے)

کسی زبان میں کوئی کتاب ہو، جس میں انسانی تاریخ کے اس جاں بلب دور کا نقشہ اتنی عمدگی سے پیش کیا گیا ہو، مصنف نے بڑی تفصیل سے اپنے بیان کی تائید میں مسلّم قابل اعتماد مصنفین کی کتابوں سے حوالے دیئے ہیں۔ خاص طور سے قبل از اسلام ایران کے متعلق کرسٹنسن کی کتاب "ایران بعہد ساسانیاں" کے اقتباسات بڑے ہی عبرت انگیز ہیں، اُس وقت ایران مذہبی اخلاقی اور سماجی لحاظ سے پستی کے کن گڑھوں میں گرا ہوا تھا، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اس کی بڑی واضح اور حقیقی تصویر پیش کرتی ہے۔ ایران کے بعد دوسری سلطنت جس کے جزیرۂ عرب سے جہاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوتے ہیں، قریبی روابط تھے، بازنطینی یا عام اصطلاح میں رومی تھی، اس کا مذہب عیسائی تھا۔ لیکن یہ مختلف گروہوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان میں آپس میں کشت وخون کا بازار گرم رہتا تھا۔ پھر اس میں جو یہودی آباد تھے وہ آئے دن ظلم وتشدد کا نشانہ بنتے تھے۔ مصنف اے جی ٹیلر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "۶۱۱ء میں انطاکیہ (شام) کے یہودیوں نے بغاوت کی، اسے رومی جنرل نے اس بے دردی سے کچلا کہ انطاکیہ کی تمام یہودی آبادی کا صفایا کردیا۔ پانچ سال بعد ۶۱۵ء میں جب شاہ ایران نے شام فتح کیا۔ تو یہودیوں نے اسے اکسا کر اس کے ہاتھ سے عیسائیوں کو بے دریغ قتل کرایا۔ جس کا انتقام پندرہ سال بعد جب رومی دوبارہ شام پر قابض ہوئے پوری طرح لیا گیا، اور رومی سلطنت میں یہودیوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہی"۔ ایران اور روم کے علاوہ اسی باب میں ہندوستان، چین بعض دوسرے ممالک کی اخلاقی ابتری اور سماجی پستی کا بھی مختصراً ذکر ہے۔ اور رسول اکرم صلعم کی بعثت کے وقت پوری دنیا کی جو حالت تھی اسے اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب کا موضوع "بعثت نبوی" ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے فیض صحبت اور آپؐ کے لائے ہوئے دین اسلام کے اثر سے عربوں میں جو حیرت انگیز تبدیلی ہوی، اور آپؐ کے صحابہ اور تربیت یافتگان کی شکل میں تاریخ نے انسانوں کا جو ایک بہترین گروہ دیکھا اُس کی ایک تصویر پیش کی گئی ہے۔ بقول مصنف کے "اس سے پہلے یقینی طور پر کبھی بھی تاریخ میں اس سے زیادہ متوازن اور ہم آہنگ انسانی جماعت دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ ہر اس وصف کی حامل تھی، جو اس دنیا اور دوسری دنیا میں کامیابی کی

ضمانت ہے، اس نے ایک ایسے کلچر اور ایک ایسی سلطنت کی طرح ڈالی جس نے ایک مختصر سے عرصے میں تینوں عظیم براعظموں پر اپنا اثر قائم کرلیا"

بعثت نبوی سے پہلے دنیا میں مذہبی کشمکش، سماجی و اخلاقی ابتری اور سیاسی آنارکی کی جو حالت تھی، اُسے دین اسلام نے اصولاً و عملاً کس طرح حل کیا، اگر مصنف اس باب میں اس کا ذکر بھی کرتے اور مثال کے طور سے یہ بتاتے کہ ایک مذہب کی حکومت کے تحت دوسرے مذاہب والے کس طرح امن و امان سے رہ سکتے ہیں، اس مسئلے کو اسلام نے یوں حل کیا۔ یا ہر ملک میں اوپر کے طبقے نچلے طبقوں کا جو معاشی استحصال کر رہے تھے، اسلام کے برسر اقتدار آنے سے اس کا یوں تدارک ہوا۔ اسی طرح مذہبی گروہ بندیوں اور ان کی باہمی لڑائیوں کا مداوا یوں کیا گیا۔ تو اس باب کی خاص طور سے انگریزی داں طبقوں کے لئے افادیت اور جاذبیت اور بڑھ جاتی، اور مصنف نے جس اعلیٰ غرض کے لئے یہ کتاب لکھی ہے وہ ہمارے نزدیک باحسن وجوہ پورا ہو سکتی۔

یہ جو انسانی معاشرے میں مذہبی و سماجی و اخلاقی ابتری اور سیاسی افراتفری ہوتی ہے، اس کا سبب زیادہ تر معاشرے کے مختلف طبقات کی باہمی ناہمواری اور آپس کی کشمکش ہوا کرتی ہے۔ اسلام جب آیا، تو اس نے نہ صرف اُس وقت کے معاشرے میں جو طبقاتی ناہمواریاں تھیں، انہیں دور کیا، جس کا کہ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک صدی کے اندر اندر ملتان سے لیکر اسپین تک پھیل گیا۔ بلکہ اس نے ہمیشہ کے لئے ان ناہمواریوں کو حل کرنے کے لئے ایسے اصول بھی دیئے کہ وہ ہر دور میں کام آسکتے ہیں۔ ضرورت تھی کہ جہاں مصنف نے قبل از اسلام دنیا کی خرابیوں کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا تھا، اسی طرح اسلام نے ان خرابیوں کا جیسے علاج کیا۔ اس کا بھی ذکر کرتے۔ اسلام صرف ایک نظریہ حیات ہی نہ تھا، بلکہ وہ نظام حیات بھی تھا جس سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی مستفید ہوئے، اور انہوں نے اپنی بگڑی بنائی۔

مولانا موصوف نے یورپی معاشرے میں آج جو زبردست طوفان بدتمیزی برپا ہے اس کا نقشہ بڑی تفصیل سے خود یورپی اہل قلم کے اقتباسات کی مدد سے کھینچا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ خوب

کھینچا ہے اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ اس معاشرے کی جملہ خرابیوں کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی اٹھان یونانی فکر و کلچر اور رومی اجتماع و سیاست پر ہوئی، ہمیں مولانا کی اس رائے سے بھی کلی اتفاق نہیں۔ جہاں تک یونانی فکر کو اپنانے کا تعلق ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسلمانوں نے بھی اپنے علمی دور عروج میں اسے کچھ کم نہیں اپنایا تھا۔ بلکہ آج بھی ہمارے مذہبی مدارس میں یونانی فکر کسی نہ کسی شکل میں داخلِ نصاب ہے۔ باقی رہا رومی اجتماع و سیاست کو اختیار کرنے کا معاملہ، بے شک مسلمان اس سے محفوظ رہے لیکن انہوں نے اس کے بجائے ایرانی اجتماع و سیاست کو اپنایا۔ اور اتنا اپنایا کہ عباسی خلافت عربی کم اور ایرانی زیادہ ہو گئی تھی۔

ہمیں یورپی معاشرے کی موجودہ ناہمواریوں اور بداخلاقیوں سے انکار نہیں اور اس بارے میں ہم سو فی صد مولانا سے اتفاق کرتے ہیں، لیکن آج یورپی معاشرے کی جو حالت ہے کچھ فرق کے ساتھ (جو بدلے ہوئے حالات اور خاص طور سے آج کی جیٹ اور ایٹمی زندگی کی تیز رفتاری کی وجہ سے) ایک زمانے میں بغداد، قاہرہ، دہلی، اور لکھنؤ وغیرہ کے معاشروں کی بھی یہ حالت رہ چکی ہے۔ اور یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے استعماری اور استحصال پسند نظام حکومت کا، یہی نظام اسلام سے پہلے ایران اور روم کا تھا۔ پھر چند صدیوں بعد مسلمانوں نے اسے اپنایا۔ اب یورپ اسی میں گرفتار رہا۔ یورپی معاشرے کی تمام خرابیوں کا سراغ یونانی کلچر اور رومی اجتماع میں لگانا ذرا دور کی کوڑی لانا ہوگا۔

فاضل مصنف چاہتے ہیں کہ مسلمان انسانی تاریخ میں پہلے کی طرح پھر وہ رول ادا کریں جو انہوں نے چھٹی صدی عیسوی میں ادا کیا تھا، اور پھر وہ جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی دیں۔ اور کون مسلمان ہے، جو دل سے یہ نہیں چاہتا، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کس طرح ہو؟ مولانا نے علامہ اقبال کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کا اقتباس دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بقول ابلیس کے

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

لیکن چند ہی صفحات بعد وہ کتاب کے آخر میں یورپ اور مسلمان قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے

اگر مغرب اب تک زندہ اور طاقتور ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں میں قومی سیاسی شعور اور فعّال احساس شہریت موجود ہے۔ وہاں شاذونادر ہی کسی کی اپنے ملک سے وفاداری کی خلاف ورزی یا قومی مفادات پر ذاتی اغراض کو ترجیح دینے کی خبریں سننے میں آتی ہیں، اس کے برعکس مسلم ممالک کے لیڈر اپنے عوام کی قسمتوں کا سودا کر کے بے کھٹکے جا سکتے ہیں۔ اور عوام بدستور ان کے حلقہ بگوش رہیں گے۔ اور ان کے حق میں نعرے لگائیں گے۔ یہ اس لئے کہ مسلمانوں کا طریقۂ فکر جامد ہو چکا ہے۔ اور ان کا سماجی شعور بالکل مردہ ہے۔"

زیر نظر کتاب میں اسلام سے قبل کی دنیا کے مفاسد کا بڑا واضح بیان ہے۔ اسلام نے جو اعلیٰ اخلاق کے حامل افراد اور گروہ پیدا کئے ان کا بھی اثر انگیز ذکر ہے۔ اور آج یورپ کا سماج جن بدعنوانیوں کا مرتکب ہے، انہیں بھی بڑی عمدگی سے پیش کیا لیکن مسلمانوں کا طریقۂ فکر جو بقول مصنف کے جامد ہو چکا ہے اس کا جمود کس طرح ٹوٹے، اور مسلمان عوام کا سماجی شعور جو خود مصنف کے نزدیک بالکل مردہ ہے، اس میں کیسے جان پڑے، موصوف نے اس ضمن میں کوئی رہنمائی نہیں کی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے یہ کتاب بڑے خلوص اور دل سوزی سے لکھی ہے، اس لئے اسے پڑھ کر آدمی بڑا متاثر ہوتا ہے۔ کتاب کی یہ خوبی اسکے انگریزی ترجمے میں بھی بدرجہ اولے موجود ہے۔ اگر مولانا موصوف ان مباحث کو بھی جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، شامل کر لیتے تو کتاب کی تاثیر اور افادیت اور بھی بڑھ جاتی۔

ضخامت ۱۱۶ صفحے، کاغذ اور طباعت اوسط سے بہتر، اور قیمت چار روپے ہے
ملنے کا پتہ۔ القادر۔ الم، ایمپرس روڈ۔ لاہور۔ ۵

تذکرہ اولیائے لاہور

مولانا محمد وارث کامل
جن کا افسوس ہے پچھلے دنوں انتقال ہو گیا

زیر نظر کتاب کے مصنف ہیں، مرحوم ایک صاحب علم ادیب اور ممتاز انشا پرداز تھے۔ اور علوم دینی کے ساتھ ساتھ تصوف سے بھی انہیں غیر معمولی شغف تھا۔ آپ نے اس کتاب میں